رجسٹرڈ نمبر ایل ۹۲۲۳

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو (ہند) کا پندرہ روزہ اخبار

قیمت فی پرچہ دو آنے | سالانہ چندہ دو روپے

جلد ۱۲ | یکم مارچ [illegible] | ایڈیٹر: قاضی عبدالغفار | ۲۳ جمادی الثانی [illegible] | نمبر ۲۹

ایک نیا تجربہ

کچھ عرصے سے یہ مسئلہ زیر بحث تھا کہ اتر پردیش میں انجمن کی ایک صوبائی شاخ قائم ہونی چاہئیے۔ مسئلہ ذرا الجھا ہوا تھا، لیکن کچھ بھی اس میں بعض پیچیدگیاں پیدا ہو گئیں جن کا ذکر کرنا ضروری نہیں۔ بالآخر یہ مسئلہ ۱۶ فروری کو انجمن کی مجلس عاملہ کے سامنے آیا اور اسی کے ساتھ بعض اراکین کی یہ تجویز بھی پیش ہوئی کہ انجمن کی شاخوں کے قواعد میں بھی ترمیم کی جائے۔ مجلس عاملہ نے مسئلہ کے ہر پہلو پر غور کرنے کے بعد یہ طے کیا کہ انجمن کی مقامی اور ریاستی شاخوں کے لئے موجودہ قواعد کے بنیادی اصول ہی کو بدل دیا جائے اور آئندہ ان شاخوں کی تشکیل کا بنیادی اصول جمہوری انتخاب کا طریقہ ہو جس میں عوام کی آواز کو زیادہ موثر بنایا جائے اور یہ اصول مقامی اور ریاستی دونوں شاخوں پر حاوی ہو۔ اس قسم کے قواعد کا ایک مسودہ مرتب کرنے کے لئے مجلس عاملہ نے چار اراکین کی ایک ضمنی کمیٹی مقرر کر دی ہے۔ کمیٹی کے اراکین میں پروفیسر مسعود حسن رضوی، پنڈت سندر لال، ڈاکٹر عبدالعلیم اور قاضی عبدالغفار ہیں۔ یہ کمیٹی اپنا کام عنقریب شروع کرے گی، تاکہ اس کی رپورٹ آئندہ اپریل میں مجلس عاملہ کے سامنے پیش ہو سکے۔ مجلس عاملہ کی منظوری حاصل ہونے کے بعد انتخابات کے جو طریقے مقرر کئے جائیں گے ان کے مطابق پہلے مقامی شاخوں کا اور پھر مقامی شاخوں کے ذریعے سے ریاستی شاخ کی تشکیل عمل میں آئے گی۔

انجمن کی تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے کہ جمہوری طریقۂ انتخاب کو اپنی شاخوں کی تشکیل کا اساس بنایا جا رہا ہے۔ اس قسم کی آوازیں مختلف سمتوں سے اٹھ چکی ہیں اور انجمن کی بعض شاخیں بھی یہ خواہش ظاہر کر چکی تھیں کہ شاخوں اور خصوصاً ریاستی شاخ کی تشکیل کو محض کسی ایک ضلع یا کسی ایک ضلع کی ایک پارٹی یا جماعت کا معاملہ نہ بنا دیا جائے بلکہ ریاست کے تمام اضلاع کی شاخوں کے ووٹ سے ریاستی شاخ کے کارکنوں کا انتخاب کیا جائے تاکہ ریاستی شاخ صحیح طور پر مقامی شاخوں کی نمائندہ ہو۔ تجویز کے اس پہلو کے متعلق دو رائیں ہو سکتی ہیں۔ لیکن اب جبکہ مجلس عاملہ نے یہ فیصلہ کر دیا ہے ہم امید کرتے ہیں کہ تمام شاخیں اس کو قبول کریں گی۔

جب تک کہ ضمنی کمیٹی کی رپورٹ مرتب نہ ہو جائے تفصیلات کے متعلق کچھ کہنا بہت مشکل ہے اور یہ نہیں بتایا جا سکتا ہے کہ طریقۂ انتخاب کیا ہوگا، مقامی انتخابات کس طرح ترتیب دئے جائیں گے۔ رائے دہندوں کی فہرستیں کس طرح مرتب ہوں گی۔ ووٹنگ کس طرح اور کن مقامات پر ہوگی۔ ووٹنگ اور رائے شماری پر کس طرح نگرانی کی جائے گی، تاکہ کسی قسم کے ناجائز طریقوں کا سد باب ہو سکے۔ وغیرہ وغیرہ۔

اس میں شک نہیں کہ یہ طریقہ کار کسی قدر طویل ہوگا اور اس کی بہت کچھ ذمہ داری شاخوں اور مرکز پر بھی عائد ہوگی۔ تاہم یہ ایک اہم تجربہ ہوگا اور ہمیں یقین ہے کہ مرکز کو شاخوں اور شاخوں کو مرکز کا پورا تعاون حاصل ہوگا اور جب ریاستی شاخ اس طرح تشکیل پائے گی تو وہ ریاست کی جماعت اور ہر ضلع کے لوگوں کی پوری طرح نمائندہ ہوگی اور اسی لئے اس سے مرکز کو اور مرکز کے مقاصد کو تقویت حاصل ہوگی۔

جمہوری طریقوں کے اچھے اور برے دونوں پہلو ہوتے ہیں۔ ایک طرف تو ان طریقوں سے عوام کو زیادہ حقوق حاصل ہوتے ہیں اور رائے دہندگی قوی ہو جاتی ہے اور اس طرح وہ مرکزی اداروں کا مقام پیدا کر دیتی ہے۔ لیکن دوسری طرف انتخابی کارروائیوں کا طول اور قواعد و ضوابط کی کثرت بعض اوقات زیادہ پیچیدگیاں پیدا کر دیتی ہے اور بے جا تنقید ابھر آتی ہے۔ اس حالت کو دور کرنے کا ابھی تک کوئی ذریعہ ہمارے ماہرین دستور کو معلوم نہیں ہو سکا ہے۔ ضمنی کمیٹی کی

رپورٹ کو مجلس عاملہ میں پیش کرنے کے بعد ہی شاخوں کی رائے حاصل کرنے کے لئے شائع کیا جا سکتا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ کمیٹی اور مجلس عاملہ اتفاقی کارروائی کی شکایات کو زیادہ سے زیادہ کم کرنے کی کوشش کرے گی لیکن اس معاملہ میں شاخوں اور کارکنوں کی رائے سے بھی بڑی مدد مل سکتی ہے۔ اگر عملہ اور پنچایتی طریقوں کے اختیار کرنے کے متعلق ہماری شاخیں اپنی رائے سے جس قدر جلد از جلد مطلع کر دیں تو کمیٹی ضرور ان پر غور کرے گی۔

ہندوستان کی طویل تاریخ میں یہ پہلا تجربہ ایک نشان راہ ہے ایک ایسے کا موڑ ہے جہاں یہ امید کی جاتی ہے کہ انجمن کا رائے عامہ سے زیادہ اتصال ہو سکے گا۔

ہلکے ہلکے اشارے

——— سکندرآباد ۸ فروری۔ تیلگو، مراٹھی اور کناری کو حیدرآباد کی اسٹیٹ میں یکم مارچ سے علاقائی زبانیں قرار دے دیا گیا۔ ہوم ڈیپارٹمنٹ کے ایک اعلان میں ان علاقوں کی تشریح کر دی گئی ہے جن میں یہ مذکورہ بالا زبانوں کو علاقائی قرار دیا جائے گا۔ حیدرآباد، سکندرآباد اور دیگر سات اضلاع میں جو تلنگانہ کے نام سے موسوم ہیں تیلگو سرکاری زبان ہوگی۔

کرناٹک کے تین اضلاع کے سات تعلقوں اور مراٹھی ضلع کے ایک تعلقہ میں بھی تیلگو سرکاری زبان ہوگی۔ چار اضلاع میں مراٹھی سرکاری زبان ہوگی۔ ضلع نانڈیر میں مراٹھی ذریعہ تعلیم ہوگی اس سے متعلقہ دیگلور اور سہ کرناٹکی اضلاع کے دو تعلقے خارج ہوں گے۔ بلکہ ضلع گلبرگہ میں کناری سرکاری زبان ہوگی۔

——— اردو علاقائی زبانوں کی فہرست سے بھی خارج ہے۔ ہمارے اتر پردیش کے نیتاؤں کی طرح حیدرآباد کے نیتا بھی شاید یہ نہیں مانتے کہ وہاں اس نام کی کوئی زبان موجود ہے یا کبھی تھی!! ——— دیکھئے تعصبات اور تنگ نظری کے بغیر جمہوریت کیونکر ترقی کر سکے!!

——— لکھنؤ یونیورسٹی میں شعبۂ تاریخ کے ریڈر ڈاکٹر نندلال چٹرجی نے یہاں ہندوستانی تاریخی کاغذات کے کمیشن کے جلسے میں ایک مقالہ پڑھتے ہوئے بتایا کہ ہندی اردو کا جھگڑا سب سے پہلے غدر کے بعد ۱۸۶۸ء میں اٹھایا گیا تھا اس زمانے میں حکومت نے ایک درخواست کی نقل اودھ کے چیف کمشنر کے پاس روانہ کی تھی جس میں پٹنہ کے کچھ لوگوں نے احتجاج کیا تھا کہ بہار کی عدالتوں میں دیوناگری کو کیوں رائج کیا جا رہا ہے اور اس مسئلے کے بارے میں اس کی رائے طلب کی تھی۔ اس سلسلے میں اودھ اور حکومت بنگال دونوں نے یہ جواب دیا کہ سنسکرت آمیز مصنوعی زبان کو ہندی کے نام سے رائج کرنا مناسب نہیں ہے اس لئے اردو کے حق میں ہی فیصلہ کیا گیا اور ہندی کو مسترد کر دیا گیا۔ ڈاکٹر چٹرجی نے کہا کہ لیکن یہ فیصلہ زیادہ انتظامی سہولت کی بنا پر کیا گیا تھا۔

——— اور اب یہ انتظامی سہولتوں کا احساس اس قدر بدل گیا ہے کہ ہمارے اتر پردیش میں اردو زبان کے وجود سے بھی انکار ہے! ——— ۸۵ برس میں دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی!!

——— دہلی کا ایک ہندی اخبار "ہندوستان" ہے جو برلا جی کے اخباری خاندان کا ایک جزو ہے۔ صدر انجمن ترقی اردو کی پریس کانفرنس کے متعلق اس اخبار کے نامہ نگار نے جو کچھ تحریر فرمایا وہ اتنا دلچسپ تو ضرور ہے کہ اس کے لئے ہم اپنے صفحات کا ایک حصہ اشاعت کی نذر کرا لیں۔

——— ارشاد ہوتا ہے کہ "آج میں نے دستخطوں کے فارم دیکھے۔ اس میں تقریباً ایک چوتھائی لوگوں نے انگوٹھے لگائے ہیں اور جن کے دستخط ہیں انہیں دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا کئی شخصوں کے دستخط ایک ہی شخص نے کر دیئے ہوں۔ اس لئے اگر دستخطوں کی کاپیاں جلد صدر جمہوریہ کو سپرد کر دی جائیں اور دستخط کے ماہرین سے ان کی جانچ کرائی جائے تو کئی رازوں کا پتہ چل سکتا ہے......!"

——— افسوس ہے کہ نامہ نگار کو پہلے یہ بات نہ سوجھی کہ ان دستخطوں کی جانچ پڑتال سے کچھ رازوں کا پتہ چلے گا اور اس لئے صدر جمہوریہ کا ماہرین سے ان کی جانچ کرانا ضروری ہے۔ ۲۰ لاکھ دستخطوں کے یہ بکس تو لکھنؤ سے دہلی اسی لئے لائے گئے تھے کہ راشٹرپتی بھون میں وفد کی عرضداشت کے ساتھ پیش کر دیئے جائیں۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صدر جمہوریہ کے سکریٹری نے ہندی ہندوستان کے نامہ نگار سے مشورہ کئے بغیر انجمن کے جنرل سکریٹری کو لکھ دیا کہ ان بکسوں کے راشٹرپتی بھون لانے کی ضرورت نہیں! بہرحال وہ تو اب بھی ماہرین کی جانچ پڑتال کے لئے انجمن کے صدر دفتر علی گڑھ میں موجود ہیں۔ پہلے تو نامہ نگار صاحب ہی تشریف لا کر ان "رازوں" کا پتہ چلائیں جن کی خلش ان کے دل کو بے چین کر رہی ہے!!

——— عجیب بات یہ ہے اور کچھ اس قدر عجیب بھی نہیں کہ ہندی "ہندوستان" کی پالیسی کانگریسی کہی جاتی ہے!!

——— اتر پردیش اسمبلی کے اجلاس میں جو آج کل ہو رہا ہے بجٹ پر تقریر کرتے ہوئے مولانا فاخر صاحب الہ آبادی نے فرمایا کہ:

"میں کہتا ہوں اور صاف کہتا ہوں کہ وہ جماعت جس کی زبان کا مسئلہ جس کی تعلیم کا مسئلہ اور جس کی تہذیب کا مسئلہ خطرے میں پڑ گیا ہو وہ خاموش نہیں رہ سکتی ہے وہ ہر وہ بات کرے گی جو کسی کو پسند ہو یا ناپسند۔"

اردو زبان کی تحریک کو فرقہ وارانہ تحریک بتانے والوں سے مولانا فاخری نے کہا کہ جہاں تک اردو زبان کا تعلق ہے وہ ہرگز فرقہ وارانہ نہیں ہم اس زبان کے لئے سختی سے مطالبہ کریں گے۔ اگر ہم باقی رہیں گے تو اردو زبان باقی رہے گی اور ہم نہ رہیں گے تو اردو زبان بھی نہ رہے گی۔"

——— مخالف پارٹی کے لیڈر مسٹر رام جی لال تریپاٹھی نے مولانا شاہ فاخری کی تقریر کو کانگریس سرکار کے لئے ایک تنبیہ بتایا۔ انھوں نے کہا کہ اس حکومت کو سوچنا چاہئے کہ وہ عوام کو ساتھ لینے میں ناکام کیوں رہی ہے۔ مسٹر تریپاٹھی

کے بجائے سنگھ مسلمانوں کے دلوں کو جلیس پہنچا کر حل نہیں کیا جاسکتا بلکہ ضرورت اس کی ہے کہ مسلمانوں کے لئے سکون اور طمینان کی فضا پیدا کی جائے۔

—— اس کے بعد کانگریسی ممبر مسٹر برج بہاری نے مولانا آزاد کی تقریر پر اظہار افسوس فرمایا اور اس حقیقت حاضرہ کا انکشاف فرمایا کہ کانگریس ہر مکتب کی بھلائی کے لئے کام کر رہی ہے۔

ظاہر ہے کہ مولانا آزاد کی تقریر کا یہ جواب بالکل بے تکا تھا!

—— اس کے بعد کانگریسی مسٹر پرکاش ویر شاستری نے مولانا آزاد کی تقریر کا جواب دیا کہ انھوں نے بہت ہی بات سے کام لیکر پارلیمنٹ کے اندر چھپی ہوئی مذہبی جذباتی ذہنیت کو بے نقاب کر دیا ہے ——— اردو زبان کی تحریک اور مسلم جماعت کو ایک ساتھ ملانے والوں کو مسٹر راٹے نے آگاہ کیا کہ اردو زبان کی تحریک کا کوئی تعلق علی گڑھ مسلم کنونشن اور مسلم جماعت سے نہیں ہے مسلم کنونشن اور مسلم جماعت میں کوئی ہندو نہیں ہے جبکہ اردو زبان کی تحریک میں بہت سے ہندو بھی شریک ہیں"

—— صدر جمہوریہ کی خدمت میں جو وفد حاضر ہوا تھا اس کے ۱۳ ممبروں میں سے ۸ ہندو تھے —— لیکن اس سے یہ تو ثابت نہیں ہوتا کہ اردو زبان کی تحریک کا کوئی تعلق مسلم کنونشن یا پاکستان سے نہیں! البتہ اس سے یہ ثابت ہوتی ہے تو صرف یہ بات کہ ہندوؤں کو بے مسلمان بہکا کر راشٹریہ دشمن بنا گئے!!

اردو زبان اور اردو رسم خط

(از رسول احمد صاحب)

ان مسائل میں جنھوں نے آزادی کے بعد سے پوری قوت کے ساتھ سر اٹھایا ہے، اردو زبان کا بھی مسئلہ ہے۔ باوجود اس کے کہ دستوری طور پر اردو زبان کو ملکی زبان تسلیم کر لیا گیا ہے، صوبائی سرکاروں نے اس کے ساتھ جو معاندانہ سلوک کیا ہے اور کر رہی ہیں اس کی وجہ سے حامیان اردو نے عرصہ سے اردو زبان کی حفاظت کے لئے طرح طرح سے کوششیں اور غور و فکر کرنا شروع کر دیا ہے۔ ان کوششوں اور غور و فکر کی وجہ سے بعض لوگوں نے کچھ رائیں بھی قائم کر لی ہیں۔ انھیں آراء میں ایک رائے یہ بھی ہے کہ اردو زبان کے رسم خط کو تبدیل کر کے دیوناگری رسم خط اختیار کر لیا جائے۔

پچھلے کچھ دنوں سے یہ رائے ہندی اور اردو دونوں حلقوں سے گردش میں آ رہی ہے۔ حالات کو دیکھتے ہوئے اس قسم کی آراء صرف قدرتی ہیں بلکہ میل کرنے والی ہیں۔ مگر پتہ نہیں اس قسم کی رائے رکھنے والے حضرات نے اردو رسم خط اور اردو زبان کی حیثیت ترکیبی کے سلسلے میں بھی کچھ غور کیا ہے یا نہیں۔

بہرحال اردو زبان اور اردو رسم خط کی حیثیت ترکیبی کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس سلسلے میں بعض چیزیں نہایت درجہ قابل غور طلب ہیں مثلاً

(۱) کیا اردو زبان کسی خاص علاقہ کی زبان ہے جس سے کہ اس کا رسم خط تبدیل کیے بھی اس کو کسی طرح زندہ رکھا جاسکتا ہے؟

(۲) کیا آپ کے حالات میں اردو زبان کے لئے دیوناگری رسم خط اختیار کرنا مضر اثرات نہ رکھے گا؟

(۳) کیا اپنی مکمل حیثیت کے لحاظ سے اردو زبان محض ہندی کی ہی ایک شکل ہے جس کا رسم خط خواہ مخواہ دیوناگری سے مختلف بنا لیا گیا تھا اور اب جسے ترک کر دینا چاہیے؟

(۴) کیا اردو زبان بالکل اسی طرح ملکی زبان ہے جس طرح دوسری زبانیں جن کا رسم خط دیوناگری یا اس سے مشابہ کوئی رسم خط ہے؟

میرے خیال میں اردو زبان کا رسم خط تبدیل کرنے کے سلسلے میں کوئی رائے قائم کرنے سے پہلے ان سوالات پر غور کر لینا نہایت ضروری ہے۔

اردو زبان کی حفاظت کے خیال سے موجودہ رسم خط ترک کر کے دیوناگری رسم خط اختیار کرنے کے سلسلے میں سب سے پہلے ہمیں اس بات پر غور کرنا ہے کہ کیا اردو محض کسی خاص علاقے کی زبان ہے جس سے یہ کام حد امکان میں ہو۔ ظاہر ہے کہ اردو زبان نہ صرف کسی خاص علاقے تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ وہ ہند و پاکستان کی ایک مشترکہ زبان ہے۔ اور اس صورت میں اگر اردو زبان کا رسم خط تبدیل کر دیا جائے تو اس کا نتیجہ سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ زبان محدود ہو کے رہ جائے گی اور پھر آپ کے حالات میں جبکہ ہندوستان میں اکثریت اجمالی جذبات کے پیچھے دیوانی ہو رہی ہے۔ اردو بحیثیت زبان کے بھی بہت جلد ختم ہو جائے گی۔

اس طرح تو یہی ممکن ہے کہ اردو زبان جو کہ ہند و پاکستان کی ایک مشترکہ زبان کی حیثیت رکھتی ہے اس کا رسم خط تبدیل کیا جا سکے اور اس کے لئے دیوناگری رسم خط اختیار کیا جائے۔ اور وہ اس طرح زبان محدود ہو کر آپ کے حالات میں زندہ بھی رہ سکے گی۔

اس کے علاوہ اردو زبان محض ہندی ہی کی ایک شکل نہیں ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ اس کی لغت کا بیشتر حصہ ہندی الفاظ پر منحصر ہے مگر اس میں عربی اور فارسی الفاظ بھی ہیں جو اسے ایک حد تک بین الاقوامی زبان کی حیثیت دیتے ہیں اور نہ اس کا یہ بین الاقوامی درجہ ہی ایک بڑی اہمیت ہے بلکہ اس کے ساتھ ہند و پاکستان کا مسلمان جس کے کلچر کے ارتقا میں ان زبانوں اور ان کے الفاظ کا بڑا حصہ رہا ہے اور انہیں کی وجہ سے اس کی بین الاقوامی حیثیت قائم ہے۔ اردو رسم خط کو ترک کر دینے سے آپ سے آپ اس اہمیت سے محروم ہو جائے گی۔

اردو رسم خط جس کا ارتقا ہندوستانی ماحول کے مطابق ہوا ہے اس کو محض فارسی رسم خط کہہ کر ترک کرنا اور اسے غیر ملکی رسم خط بنا کر اس سے نفرت کرنا محض ہندو اکثریت کے اجمالی جذبات کے لحاظ سے ہی باعث تسکین ہو سکتا ہے اور پھر اکثریت کی تسکین محض اتنی ہی بات پر منحصر ہے۔ تقسیم کے بعد اس کے اس قسم کے احساسات نے جو شدت اختیار کی ہے اس کے لحاظ سے تو معلوم کیا کیا ترک کرنا ضروری ہو جاتا ہے مگر کیا ہم ان سب کے لئے تیار ہیں؟

اب اکثریت کا ذہن ہر اس چیز کو ترک کرنے پر آمادہ ہے جس کا ہندو مسلم اشتراک کے ساتھ کوئی تعلق ہے اور جس میں مسلمان کی بو آتی ہے۔ اس صورت میں جبکہ یہ چیز ملکی مفاد کے بھی خلاف ہو کہ کس کس چیز کو ترک کریں گے، وہ یہاں سوال محض اتنا ہی ہے کہ ملکی مفاد کو اکثریت کے ذہن کے مطابق ہم نہیں جانچیں بلکہ سوال یہ ہے کہ ان رجحانات کا جو محض انتقامی جذبہ کی وجہ سے اکثریت کے دل و دماغ میں ابھر آئیں گے مقابلہ کریں اور ملک کو عصبیت پرستی کی طرف جانے سے روکیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ آج کے حالات میں اس قسم کی باتوں کا امکان بہت کم ہے کہ اکثریت اپنے جذبات کو تسکین دینے کے لئے کوئی بھی فیصلہ کر سکتی ہے۔ مگر ہم اتنا تو کر ہی سکتے ہیں کہ اکثریت کے جذباتی فیصلوں کے ساتھ اپنی آواز ملا لیں۔

اس بات میں ذرہ برابر شک نہیں ہے کہ ملکی اور غیر ملکی کی باتیں جو آج پھر بھی جاری ہیں اس کا زیادہ سے زیادہ تعلق مسلمان کے ساتھ ہے۔ اکثریت انتقامی جذبات میں اس قدر کھوئی ہوئی ہے کہ اسے مسلمان کی زندگی سے، اس کی تاریخ سے، اس کے تمدن سے جس چیز کا ذرا بھی لگاؤ معلوم ہوتا ہے، خواہ اس کے ساتھ ہندوستانی قوم کی مشترک روایات بھی کیوں نہ ہوں وہ اسے منظور نہیں ہے۔ اردو رسم خط بھی اسی سلسلۂ فکر کی ایک کڑی ہے جس کی وجہ سے اسے یہ منظور نہیں ہے۔ مگر اکثریت کے رجحانات کے مطابق یہ کوئی حیرت کی بات بھی نہیں ہے۔ وہ لوگ جو اردو رسم خط کو ترک کر دینے اور دیوناگری کو اختیار کر لینے سے اردو زبان کی حفاظت سمجھتے ہیں، در اصل سخت مغالطے میں ہیں۔ ایک تو جیسا کہ کہا جا چکا ہے اس صورت میں اردو کی حالت کو دیکھتے ہوئے کسی خاص علاقہ یا کسی خاص ملک کے رہنے والوں کو حق نہیں پہنچتا۔ کیونکہ اس سے اردو کی بہت محض دھوکے رہ جاتی ہے۔ دوسرے ہندوستان کے حالات کے تحت اردو زبان کے لئے دیوناگری رسم خط اختیار کرنا دوسرے الفاظ میں اردو کو ختم کر دینا ہے۔ ہندی والے جس طرف جا رہے ہیں وہ آج کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ غالب اکثریت ہندی والوں میں اور سرکاروں میں ان لوگوں کا ہے جو ہندی کے غیر ملکی اثرات جن کا تعلق مسلمان سے ہوتا ہے زبان کو پاک کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ پھر ایسی حالت میں دیوناگری رسم خط میں تبدیلی کر کے اردو الفاظ کا تلفظ اس کے ذریعے ادا کرنے کی بات محض خواب و خیال کی بات ہے۔ ایک زمانے میں یعنی آج سے تقریباً ۲۰۰-۳۰۰ سال پہلے ہندی میں ایسا تھا کہ بعض اردو الفاظ کے تلفظ کے لئے ہندی حروف پر نقطے وغیرہ کے نشانات رکھے جاتے تھے اگرچہ یہ سلسلہ ابھی تک چل رہا ہے مگر اکثریت کے رجحانات کے مطابق ایسا زیادہ دنوں تک چلنا اس کا کوئی امکان نہیں ہے۔ پھر ایسا ہونا ممکن ہی ہو تو بھی اردو زبان آج کے حالات میں محض دیوناگری رسم خط کے سہارے زندہ نہیں رہ سکتی۔ ایک طرف تو ہندی کے غلبہ کی وجہ سے آہستہ آہستہ عربی فارسی الفاظ زبان سے خارج ہوتے چلے جائیں گے اور دوسری طرف چونکہ اردو والے اردو رسم خط کو ترک کر چکے ہوں گے لہٰذا وہ عربی فارسی الفاظ سے ناواقف ہوتے جائیں گے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ مشترکہ زبان اردو زبان اور مشترکہ کچھ جو ہندو اور مسلمان کے باہمی میل جول سے وجود میں آیا ہے اکثریت کے احیائی اور عصبیت پرستانہ

[illegible]

عوامی ہندوستانی اور اردو کا ایک نمونہ

(قتیل شفائی)

★

یہ سب تیری دین ہے داتا، میں اس میں کیا بولوں

تو نے جیون جوت جگائی
میں نے پگ پگ ٹھوکر کھائی
جس رستے پر ڈالے تو، میں اس رستے پر ہو لوں
یہ سب تیری دین ہے داتا، میں اس میں کیا بولوں

تو نے تو موتی برسائے
میں نے کالے کنکر پائے
میں جھولی میں کنکر لے کر موتی جان کے رو لوں
یہ سب تیری دین ہے داتا، میں اس میں کیا بولوں

تو نے پھول سہانے بانٹے
میرے بھاگ میں آئے کانٹے
میں [illegible] سے ان کانٹوں کو پھول سمجھ کر تولوں
یہ سب تیری دین ہے داتا، میں اس میں کیا بولوں

تو نے مجھے امرت پیالے
مجھ کو پڑ گئے جان کے لالے
میں بس کو بھی امرت جانوں، تیرا بھید نہ کھولوں
یہ سب تیری دین ہے داتا، میں اس میں کیا بولوں

(بہ شکریہ اقدام کراچی)

راجستھان میں ریاستی انجمن ترقی اردو

راجستھان کے بعض مقامات کے حامیان اردو کی یہ خواہش ہے کہ راجستھان میں انجمن ترقی اردو کی ریاستی شاخ قائم کی جائے۔ تجویز مناسب اور خواہش نیک ہے۔ اس لئے طے کیا گیا ہے کہ خواجہ بزرگ کے عرس کے موقع پر اجمیر کو حویلی دیوان صاحب میں راجستھان کے مخلص حامیان اردو کا ایک نمائندہ اجلاس کیا جائے تاکہ ریاستی شاخ کے قیام کی تجویز کے ہر پہلو پر غور وخوض کے بعد کوئی فیصلہ ہو سکے۔ تجویز کی تائید میں وہی لوگ حصہ لے سکیں گے جو راجستھان کی کسی شاخ کے صدر یا جنرل سکریٹری یا اس شاخ کی طرف سے نامزد نمائندہ ہوں گے۔" نمائندگی کی فیس دو روپے ہوگی جو لوگ اس جماعت میں شریک ہونا چاہیں وہ اپنے نام کے ساتھ دو روپے مولانا حبیب الله صاحب قشنائی صدر مجلس استقبالیہ حویلی دیوان صاحب کے پتے پر بھیج کر رسید حاصل کرلیں۔"

راجستھان میں ٹونک۔ جے پور اور دوسرے مقامات پر شاخیں قائم ہو چکی ہیں۔ جہاں اب تک شاخیں قائم نہیں ہیں وہاں کے حامیان اردو ایک پہلی فرصت میں شاخ قائم کرکے مرکز سے الحاق کرالیں اور بحیثیت نمائندہ شریک اجلاس ہو کر ریاستی شاخ کے قیام کی تجویز کو کامیاب بنائیں یہ کام وقت کا سب سے اہم کام ہے۔

خیر بہوروی

مددگار جنرل سکریٹری۔ انجمن ترقی اردو (ہند)

حیدرآباد میں اردو کی تحریکیں

حیدرآباد دکن میں اردو کی بقاو ترویج کی کافی جدوجہد کی جارہی ہے۔ چنانچہ ہر محلہ میں ادبی انجمنیں قائم کی جارہی ہیں۔ اس کا طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ پہلے کسی پروفیسر وغیرہ کا لکچر ہوتا ہے یا کوئی تحقیقی مقالہ پڑھا جاتا ہے۔ صدر جلسہ (جو ہر وقت نیا ہوتا ہے) سے اجازت لیکر حاضرین تنقید کرتے ہیں۔ سوالات وجوابات کے اختتام پر یا سوال معترض صاحب واپس لے لیتے ہیں یا مصنف کو کچھ بدلنا پڑتا ہے۔ اسی طرح کچھ نوجوان ادیب افسانے مضامین اور کہانیاں سناتے ہیں اور شعرا نظمیں اور غزلیں وغیرہ۔ ان پر تنقید ہوتی ہے۔ میں یہاں پر چند انجمنوں کا ذکر کرنا ضروری سمجھتی ہوں۔

حیدرآباد دکن کے مشہور صحافی، ادیب اور شاعر اگر کسی انجمن میں زیادہ سے زیادہ شریک ہو کر ادبی کاموں میں حصہ لیتے ہیں تو وہ صرف انجمن ادبی سنگم ہے۔ اس انجمن کے ممتاز ہونے کی ایک اور وجہ بھی ہے۔ وہ یہ کہ یہاں ہر مکتب خیال کا شخص آتا ہے۔ ترقی پسند حضرات کو یہاں فن ملتا ہے تو قدیم رجحان رکھنے والوں کو دنیا کے اور ماحول کے نئے تقاضے متاثر کرتے ہیں چنانچہ اس انجمن میں بہت ہی سنجیدگی سے ادب کی خدمت کی جارہی ہے اردو ادب کے لیے یہ انجمن حیدرآباد میں بہت ہی غنیمت ہے۔ اس کے جنرل سکریٹری مسٹر غیاث صدیقی ہیں۔ جو ایک اردو ماہنامہ کے ایڈیٹر بھی رہ چکے ہیں اور انگریزی، فارسی، ہندی اور اردو کے ممتاز نوجوان شاعر اور ادیب بھی ہیں۔ ان کے کلام میں قدیم فن اور جدید تقاضوں کا ایک حسین سنگم ہوتا ہے۔ مسٹر غیاث صدیقی کو اردو ادب سے بے حد محبت ہے چنانچہ وہ حیدرآباد کی ہر انجمن میں بہت ہی دلچسپی سے حصہ لیتے ہیں۔

حیدرآباد کی دو اور بھی انجمنیں قابل ذکر ہیں۔

شاہ گنج میں "عوامی ادبی سوسائٹی" اور سلطان پلی میں "انجمن ارتقائے ادب اردو" ان دونوں انجمنوں میں "ادبی سنگم" کا طریقہ کار رائج ہے اور یہاں بھی نوجوان ادیب اور شاعر نئی تراش خراش کے مضامین اور نظمیں سناتے ہیں۔ اہل فن اور بزرگ حضرات اور پروفیسر وغیرہ تنقید کرتے ہیں۔

آج کل ان تمام انجمنوں میں یہ کوشش کی جارہی ہے کہ فرصت کے اوقات میں عوام کے لئے "اردو" پڑھانے کا انتظام کیا جائے اور زیادہ سے زیادہ چندہ جمع کرکے مقامی ادیبوں اور شاعروں کے مضامین اور کلام کے مجموعے انجمنوں کی جانب سے شائع کئے جائیں اور اردو ادب کے رسالوں کی سرپرستی کی جائے بلکہ ہر انجمن بھی اپنا ایک "آرگن"۔۔ شائع کیا کرے۔

میں نے یہ خط "ہماری زبان" کے لئے لکھا ہے۔ تاکہ آپ کو معلوم ہوسکے کہ حیدرآباد دکن میں اردو کی اشاعت و بقا کے لئے جدوجہد کی جارہی ہیں۔

مسز حمید خاں

(حیدرآباد۔ دکن)

سوویٹ یونین میں علاقائی زبانیں

(از سی۔ د۔ لیشیرت)

کمیونسٹ پارٹی اور سوویٹ حکومت نے سوویٹ یونین کی قوموں کی تمام زبانوں کی نشوونما اور ترقی کے لئے مناسب فضا پیدا کی۔ سوویٹ یونین میں کوئی ایک زبان درجی ریاستی زبان نہیں ہے۔ ملک کی تمام زبانیں قانونی طور پر برابر ہیں۔ سوویٹ یونین کے دستور اساسی کی دفعہ ۴۰ کے مطابق سوویٹ یونین کی مجلس اعلیٰ میں منظور ہونے والے تمام قوانین دفاقی جمہوریوں کی سولہ زبانوں میں شائع ہوتے ہیں۔ سوویٹ یونین کی مجلس اعلیٰ کی روئداد سولہ جمہوریوں کی زبانوں میں شائع ہوتی ہیں۔ مجلس اعلیٰ کے اجلاس کے دوران میں اس کا ترجمان اخبار "ازوستیہ" پوری کارروائی ان تمام زبانوں میں شائع کرتا ہے۔

سوویٹ یونین کی قوموں میں باہمی خط وکتابت اور دوستانہ تعاون کا ذریعہ روسی زبان ہے۔ روسی زبان جو دنیا کی سب سے بڑی زبانوں میں شمار ہوتی ہے۔ سوویٹ یونین کی تمام قوموں کی زبانوں اور کلچر کی نشوونما اور ترقی میں اہم کردار انجام دیتی ہے۔ سوویٹ یونین کی قوموں کے نمائندے روسی زبان

کا پُرجوش اور پرجوش و خروش مطالعہ کرتے ہیں۔ لیکن یہ سوویٹ یونین کی کوئی لازمی ریاستی زبان نہیں ہے اور دوسری زبانوں پر حاوی نہیں ہے۔

تمام قومی جمہوریوں اور خطوں میں حکومت کی ایجنسی، عوامی اور تہذیبی اداروں میں باہمی خط و کتابت اور روزمرہ کی کارروائیاں قومی زبان میں ہوتی ہیں کیونکہ وہی دیسی زبان ہوتی ہے اور متعلقہ قومی جمہوریہ یا خطہ کی غالب اکثریت اس کو سمجھ اور بول سکتی ہے۔ ہر سوویٹ قوم کے نمائندے کسی جگہ بھی دیہی سوویٹوں اور عوامی عدالت سے لیکر سوویٹ یونین کی مجلس اعلیٰ تک اپنی مادری زبان کا استعمال کر سکتے ہیں۔ وہ کسی بھی ریاستی ادارے میں اپنے اظہار خیال کے لئے گفتگو یا تحریر میں اپنی قومی زبان استعمال کر سکتے ہیں۔ سائنسی اور ادبی تصانیف، اشاعت گھروں، اطاقتی مجلسوں، سائنسی اور تہذیبی اداروں کے پاس اپنی مادری زبان میں بھیجی اور شائع کرائی جا سکتی ہے۔

سوویٹ یونین کی تمام قومی جمہوریوں اور خطوں میں وہاں کی قومی زبان کے بیشتر تہذیبی اور تعلیمی ادارے، ابتدائی اور ثانوی اسکول نیز اعلیٰ تعلیمی ادارے قائم ہیں۔ روسی سائنسدانوں کی برادرانہ امداد سے لسانیات اور سوویٹ یونین کی قوموں کے ادب کے شعبے میں سیکڑوں اور ہزاروں محققوں کارکنوں نے تربیت حاصل کی۔ تمام وفاقی اور خود اختیار جمہوریوں میں اور خود اختیار خطوں میں زبان، تاریخ اور ادب کے اعلیٰ ادارے قائم کئے گئے جو متعلقہ قوموں کی تاریخ، زبان اور ادب سے متعلق مسئلوں کا سائنٹفک مطالعہ کرتے ہیں۔ قومی جمہوریوں اور خطوں میں استادوں کی تربیت کے علمی ادارے بھی ہیں جہاں انھیں قومی زبان اور ادب کی تعلیم دی جاتی ہے۔

قوموں اور انکی زبان کی مساوات کی قومی پالیسی نے جو کمیونسٹ پارٹی نے مرتب کی تھی سوویٹ یونین کی تمام قومیتوں کی تخلیقی قوت کی بے نظیر ترقی کی ضمانت کر دی۔ روسی عوام کی مدد سے قومی جمہوریوں اور خطوں کے محنت کش عوام نے ایک مختصر سی تاریخی مدت میں اپنی اقتصادی پسماندگی پر عبور حاصل کر لیا اور خود اپنی ترقی یافتہ صنعت اور اعلیٰ پیمانے کی زراعت کو جنم دیا۔ سوویٹ یونین میں بسنے والی تمام قوموں کی مادری زبانوں اور قومی کلچر نے جو ہیئت کے اعتبار سے قومی اور ماہیت کے اعتبار سے اشتراکی ہے۔ ترقی کی اعلیٰ منزلیں طے کر لیں۔

تمام سوویٹ جمہوریوں میں ایک سچا تہذیبی انقلاب لایا گیا۔ سوویٹ یونین میں جہالت کا یکسر خاتمہ کر دیا گیا اور سارے ملک میں کوئی بھی ان پڑھ نہ رہا۔ مثلاً آج کل ازبکستان میں پانچ ہزار سے زیادہ اسکول ہیں جن میں تیرہ لاکھ سے زیادہ طلبہ داخل ہیں۔ قزاقستان میں آٹھ ہزار پانچ سو اسکول ہیں، ایک سو سے زیادہ مخصوص سی ثانوی اسکول اور درجن بھر اعلیٰ تعلیمی ادارے۔ کرغیزیہ میں ایک ہزار چھ سو پچاس اسکول جن میں تین لاکھ سے زیادہ بچے داخل ہیں۔ تاجکستان میں دو ہزار سات سو اسکول جہاں تین لاکھ ۴۰ ہزار سے زیادہ بچے پڑھتے ہیں۔ سوویٹ یونین کی چاہے کسی قومی جمہوریہ یا قومی خطہ کو دیکھئے یہی معلوم ہوگا کہ وہاں کے تمام بچے اسکول جاتے ہیں۔ قومی زبان میں سات جماعتوں تک کی عام تعلیم پورے سوویٹ یونین میں لازمی قرار دے دی گئی ہے۔ دس جماعتوں تک کی عام تعلیم اب رفتہ رفتہ رائج کی جا رہی ہے اور یہ بھی قومی زبانوں میں ہوگی۔

سوویٹ یونین کی ۴۰ قوموں اور قومیتوں نے جنکی پہلے کوئی تحریری زبان نہ تھی اکتوبر کے اشتراکی انقلاب کے بعد اپنے رسم الخط حاصل کیا۔ سوویٹ یونین کی قوموں کی اپنی زبانوں میں اخبارات، رسالے اور کتابیں کثیر تعداد میں شائع ہوتی ہیں۔ انقلاب سے پہلے وسط ایشیا میں وہاں کے لوگوں کی مادری زبانوں میں کوئی اخبار شائع نہ ہوتا تھا اور انقلاب کے بیس برس بعد ۴۰ اخبارات تاجکستانی زبان میں شائع ہو رہے تھے ... ازبکستانی زبان میں ۳۸ کرغیزی زبان میں اور ۳۰ ترکمانی زبان میں۔ قومی جمہوریوں میں اشاعت گھر قائم ہو گئے ہیں جو نصابی کتابیں، لغات، سیاسی اور سائنسی کتابیں اور ادبی تصنیفات شائع کرتے ہیں۔ سنہ ۱۹۵۲ء میں وفاقی اور خود اختیار جمہوریوں کی اشاعت گھروں نے سات جماعت کے اسکولوں اور ثانوی اسکولوں کے طلباء کے لئے دیسی زبانوں میں صرف نصاب ہی کی ایک ہزار سے زیادہ کتابیں شائع کیں جن کی مجموعی اشاعت پانچ کروڑ سے زیادہ تھی۔ روسی فیڈریشن کے اشاعت گھروں نے مختلف زبانوں میں نصابی کتابیں تیرہ کروڑ کی تعداد میں شائع کیں۔

(تاس)

(بقیہ سلسلہ صفحہ ۲ کا)

امتیازات کے باعث ختم ہو جائے گا۔

اردو رسم خط کو ترک کرکے دیوناگری رسم خط اختیار کر لینے سے یہی نہیں کہ اردو زبان اور مشترکہ کلچر کا ایک غالب عنصر ختم ہو جائے گا بلکہ ہندوستان کا مسلمان بھی اپنے قومی کردار اور روایات کے لحاظ سے اکثریت کے ساتھ بہت حد تک ضم ہو جائے گا۔ کیونکہ اردو رسم خط کی وجہ سے اس کا تعلق جو عربی اور فارسی الفاظ کے ساتھ بنا ہوا ہے اور جس سے ایک مخصوص اور ممتاز کردار بنا ہوا ہے وہ ختم ہو جائے گا۔

اکثر آج کل یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ مسلمان کا تعلق کوئی اردو سے لیا نہیں ہے کہ اگر اردو زبان ختم ہو جائے تو مسلمان باقی نہ رہے یہ بات بالکل ٹھیک ہے مگر ہندوستان کے مسلمان کو اگر کسی زبان کے ساتھ تہذیبی لگاؤ ہے اور وہ اس کے ذریعے اپنے مخصوص تصورحیات کے ساتھ زندگی گزارتا ہے تو وہ یہی اردو زبان ہے جو ایک ایسے رسم خط میں لکھی جاتی ہے جس کا ارتقاء ہندوستان کی فضا میں اور ہندوستانی اصوات کے لحاظ سے ہوا ہے ہاں یہ درست ہے کہ وہ فارسی رسم خط کی ہندوستان کے لحاظ سے ایک ارتقائی شکل ہے۔

وہ لوگ جو بھارت کو ہر طرح کے غیر ملکی اثرات سے پاک کرنا چاہتے ہیں محض خاص کر ایسے اثرات سے جن کا تعلق مسلمان کے ساتھ ہے تو نہیں وہ اس دوڑ میں کہاں تک پہنچیں گے اور اس سے آج کے زمانے میں ملک کو کیا فائدہ ہوگا۔ لیکن اگر یہ ممکن ہوتا کہ ہر طرح کے غیر ملکی اثرات سے بھارت کو پاک کیا جا سکتا اور اس سے خصوص جذباتی

ستیں ہی نہ ہوتی بلکہ ملک کا بھلا بھی ہوتا تو بھی اردو اور ہندستان کی مشترکہ تہذیب اور مسلمان کے معاملے میں غور کرنے والے لوگوں کا فیصلہ یہ نہ ہوتا کہ رسم خط کو ترک کیا جائے اور اردو کو ختم کر دیا جائے۔

ملک کے موجودہ حالات کے تحت اس بات میں ذرا بھی شک نہیں ہے کہ اردو کی بقا اردو رسم خط کے ساتھ وابستہ ہے۔ اگر اردو رسم خط ترک کر دیا جاتا ہے تو اردو کے باقی رہنے کے کوئی معنی نہیں ہیں۔ لہذا اردو کے بہی خواہ اور حامی کو اردو زبان اور اردو رسم خط کے بارے میں بہت غور و فکر کے بعد اپنی رائے قائم کرنے کی ضرورت ہے۔

ہندستانی پرچار سبھا۔ (واردھا)

انجمن کی خبریں

مغل سرائے

اشتیاق احمد صاحب وکیل جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو مغل سرائے ضلع بنارس تحریر فرماتے ہیں کہ ۱۵ فروری کو زیر اہتمام انجمن ترقی اردو مغل سرائے "یوم غالب" منایا گیا۔ جلسے کی صدارت سپرنٹنڈنٹ لیڈ جناب ٹمپی ناتھ مصر صاحب نے کی۔

اخلاق احمد صدیقی، منظور نازش، اصغر انصاری اسلام پوری بوذا وارثی، حافظ اصغر علی۔ جی۔ ایف۔ ڈاؤل۔ نصرت علی۔ عبدالروف قریشی، ماشرف علی انصاری۔ نصیب اللہ ہاشمی، بدرالدین اسلام پوری صاحبان نے غالب سے متعلق مقالات اور نظمیں پیش کیں۔

جناب صدر نے غالب مرحوم کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے فرمایا۔ مجھ سے پوچھا جائے کہ مغل سلطنت نے ہندوستان کی تاریخ کو روشن رکھنے کے لئے کیا دیا تو بغیر کسی غور و فکر کے کہوں گا کہ

اردو زبان تاج محل اور غالب

جس طرح انگریزی ادب کو شکسپیئر پر سنسکرت کو کالی داس پر فخر ہے اسی طرح اردو زبان اور اس کا ادب غالب پر فخر کرتا ہے۔

غالب ہماری مشترکہ تہذیب کا بیش بہا سرمایہ فخر ہے۔

انجمن ترقی اردو مغل سرائے کے اراکین لائق تعریف ہیں جنہوں نے ایک طویل مدت کے بعد یہاں کے ادبی جمود کو توڑ کر زندگی کی روشنی پیدا کی ہے کسی ادیب اور اس کی زبان کی خدمت اس ملک کی سب سے بڑی خدمت ہوتی ہے۔

بلاسپور

جناب ایم۔ اے معین صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو ضلع بلاسپور (مدھیہ پردیش) مطلع فرماتے ہیں کہ ایسٹرن ریلوے اردو اسکول کی ڈپٹی منسٹری کمیٹی بلاسپور نے ۲۰ جنوری ۱۹۵۴ء کی نشست میں یہ فیصلہ کر دیا کہ مندرجہ بالا اسکول جو عرصہ تیس سال سے ریلوے ملازمین کے بچوں کی تعلیمی خدمات انجام دے رہا تھا ۳۱ مارچ ۱۹۵۴ء سے بند کر دیا جائے۔ اس اسکول میں موجودہ طلبہ کی تعداد ایک سو پانچ ہے اور آئندہ اضافہ کے لئے کافی امید افزا ہیں۔ اس اسکول میں اردو کے ساتھ ہندی بھی پڑھائی جاتی ہے۔

اسکول بند کرنے کی تحریک ۱۹۵۲ء میں اردو مخالف عناصر نے چلائی تھی اس وقت طلبا کی تعداد صرف ۳۲ رہ گئی تھی۔ مگر جنرل منیجر بی۔ این۔ آر نے اسے مسترد کر دیا تھا۔ آج طلبا کی تعداد کو دیکھتے ہوئے اسکول بند کرنے کا فیصلہ انتہائی غیر منصفانہ اور افسوسناک ہے خصوصاً جب کہ حکومت ہند کے قانون میں مادری زبان کے تحفظ کی دفعات موجود ہیں جن کی خلاف ورزی بالا افسران کے ذریعے کی جا رہی ہے۔ اس کمیٹی میں بلاسپور ضلع کے ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف اسکولس مسٹر انصاری بھی شامل تھے محکمہ تعلیم کے اعلیٰ افسر ہونے کی حیثیت سے شرتی انصاری کو قانون تحفظ مادری زبان سے واقفیت ہونا چاہئے۔ متعلقہ محکمہ کے ایک ذمہ دار افسر کے سامنے حکومت ہند کے قانون کی خلاف ورزی ایک سخت قابل اعتراض بات ہے۔

مذکورہ بالا کمیٹی کی نشست میں کنسٹرکٹنگ آفیسر صاحب نے اردو اسکول بند کرنے کی جو وجوہات پیش کیں۔ وہ ان کے تعصب کی آئینہ دار ہیں۔

(۱) انگریزی اسکول میں طلبا کی تعداد زیادہ ہونے سے زیادہ کمروں کی ضرورت ہے اور انگریزی اسکول کی عمارت اس کے لئے ناکافی ہے۔

(۲) یہ کہ ہماری قومی اور علاقائی زبان ہندی، مراٹھی ہے آپ اردو وغیرہ کی تعلیم کی ضرورت نہیں اس لئے اردو اسکول کی عمارت کو انگریزی اسکول میں شامل کر دیا جائے اور اردو اسکول ۳۱ مارچ ۱۹۵۴ء سے بند کر دیا جائے۔

اس سلسلے میں یہ بھی گزارش کرنا ضروری ہے کہ اردو اسکول کو ختم کرنے کی کوشش متواتر دو سال سے جاری ہے اور اردو دشمن عناصر دو سال قبل ہی بند کر چکے ہوتے مگر حالات سازگار نہ تھے اس لئے انہیں ناکامی ہوتی رہی۔

مدھیہ پردیش انجمن ترقی اردو نے اس خبر سے جناب لال بہادر صاحب شاستری ریلوے منسٹر حکومت ہند اور حضرت مولانا آزاد وزیر تعلیم حکومت ہند کو مطلع کرتے ہوئے تجویز کو مسترد کرنے کی درخواست کی ہے امید ہے کہ ریلوے کا یہ اردو اسکول بند نہ کیا جائے گا۔

شاہ گنج

انجمن ترقی اردو شاہ گنج ضلع جون پور کے عہدے داران

ڈاکٹر بدرالدین احمد صاحب	صدر
بابو مہیندر ناتھ صاحب	نائب صدر
علی محمد صاحب عراقی	جنرل سکریٹری
مولوی محمد اصغر صاحب	جوائنٹ سکریٹری
محمد ایوب صاحب صابر	سکریٹری نشر و اشاعت
ریاض الحسن صاحب	خازن
ڈاکٹر سخاوت علی صاحب شمیم	محاسب
مولوی نوجوار خاں صاحب تحقق	رکن

ڈاکٹر محمد خلیل انصاری صاحب رکن

حافظ منظور احمد خاں صاحب

محمد منیر صاحب

مالی گاؤں

اردو زبان کی بقا کے لئے ہندوستان میں جو جد و جہد ہو رہی ہے اس کے پیش نظر انجمن ترقی اردو فورٹ مالی گاؤں کی جانب سے یکم مارچ ۱/۲ ۹ بجے رات کو بمقام میونسپل مراٹھی اسکول اردو کانفرنس زیر صدارت پنڈت سندر لال صاحب منعقد ہو رہی ہے جس میں پروفیسر محمد فاروقی صاحب کرناٹک کالج دھارواڑ، سید شہاب الدین دسنوی صاحب پرنسپل صابو صدیق انسٹی ٹیوٹ بمبئی، جناب عبد الحمید صاحب مالک و مدیر روزنامہ انقلاب۔ حامد الانصاری غازی صاحب ایڈیٹر جمہوریت سیف الدین حارث صاحب ایڈیٹر روزنامہ اجمل، میر اصغر علی جامعی اور حاجی نور محمد احمد صاحبان شرکت فرمائیں گے۔

کانفرنس کے سلسلے میں ۲ مارچ کی رات کو ۱/۲ ۹ بجے ایک مشاعرہ زیر صدارت شاعر اہل بیت حضرت نظر ہوروی اسی مقام پر منعقد ہو رہا ہے جس میں مشہور شعرا شرکت کریں گے۔

امروہہ

جناب عزیز عباسی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ مرکزی انجمن کی امروہہ شاخ بجا طور پر ایک ہونہار شاخ کہلانے کی مستحق بن چکی ہے امروہہ کے عوام میں اس کی مقبولیت مردوں سے گزر کر عورتوں میں یہاں تک پہونچ گئی ہے کہ ۱۷ جنوری ۱۹۵۸ء کے سالانہ جلسے میں ان کی روز افزوں تعداد ممبران سے متاثر ہو کر نیز عورتوں میں انجمن کے انتظام کو وسیع تر کرنے کے لئے "شعبہ خواتین" ایک تجویز کے تحت علیحدہ قائم کرنا پڑا۔ ۱۴ روز کی مزید مہلت خواتین کی ممبر سازی کے لئے دی گئی اس قلیل وقفے میں پردہ نشین خواتین نے ممبروں کی تعداد میں حیرت انگیز اضافہ کیا۔ ۲ فروری کو انجمن کی مجلس عاملہ کی تجاویز کے تحت محترمہ بیگم صاحبہ سید معراج الحسن نقوی کی نگرانی میں شعبۂ خواتین کے حسب ذیل انتخابات عمل میں آئے۔ واضح رہے کہ سالانہ اجلاس نے شعبۂ خواتین کے لئے صرف ایک نائب صدر اور ایک نائب سکریٹری کے انتخاب کی اجازت دی تھی اور منتخب ہونے والے صدر کو چھ افراد پر مشتمل اپنی مجلس عاملہ تشکیل دینے کی۔

صدر: محترمہ صالحہ بیگم صاحبہ اعلیٰ قابل، سکریٹری محترمہ فخر النساء چودھری، مجلس عاملہ: بلقیس اختر صاحبہ، محترمی بیگم صاحبہ، بیگم صاحبہ قمر الحسن صاحب جعفری، بیگم صاحبہ سید معراج الحسن، بیگم صاحبہ حکیم سید آل محمد اور محترمہ مقبول فاطمہ۔

شعبۂ خواتین کی ان سرگرمیوں کے ساتھ مقامی انجمن نے اسی ہفتے ایک شاندار مباحثہ منعقد کیا جس کا موضوع تھا "لسانی بنیاد پر میرٹھ، آگرہ اور اضلاع روہیلکھنڈ کا صوبہ دہلی سے الحاق زیادہ مفید ہے"

انجمن کا یہ مباحثہ بابو کیلاش چند صاحب گوئل رئیس امروہہ کے دولت کدہ پر بھائی جناب مہیش چند صاحب گوئل نائب صدر انجمن کی صدارت میں منعقد ہوا۔ انجمن کے گزشتہ پندرہ روزہ ادبی اجتماع کی کارروائی کی تصدیق ہونے کے بعد حاضرین کے مطالبے پر لسانی بنیاد کی شرط ہٹا دی گئی تاکہ موضوع کے دوسرے افادی پہلو بھی زیر بحث آ سکیں۔

مباحثے میں حکیم آفتاب احمد خاں صاحب جامعی محرک اور سید انظر حسین صاحب وکیل مخالف اول کے علاوہ سید مسعود حسن صاحب وکیل، لالہ رام سرن داس صاحب، جناب تاباں مدیر نوائے ہند، سید تقی حسن صاحب، کاظم علی خاں صاحب اسپیشل مجسٹریٹ نے موضوع کی موافقت میں اور سید طالب حسین صاحب، سوہن لال صاحب کرشنا تعلیمی پرنسپل ہندو کالج نیز نواب [illegible] شان صاحب نے مخالفت میں حصہ لیا۔

تین گھنٹے کی طویل بحث میں فاضل مقررین نے مسئلے کے تمام مخالف و موافق پہلو حاضرین کے سامنے پیش کئے اور اختتام پر حاضرین نے بھاری اکثریت سے موضوع کے حق میں فیصلہ دیا۔

ایک ضروری کانفرنس

بخدمت سکریٹری صاحب انجمن ترقی اردو (ہند)

گزارش ہے کہ ایک عرصے سے بعض اہم مسائل کے متعلق جن کا تعلق ان اضلاع سے ہے ایک کانفرنس کی ضرورت محسوس کی جا رہی ہے۔ لہٰذا ان مسائل کے متعلق غور و خوض کرنے کے لئے اپریل ۱۹۵۸ء بتاریخ ۲۶ یکم اور ۲ مئی بروز جمعہ، سنیچر، اتوار ایک تعلیمی کانفرنس ضلع ناسک کے شہر منماڑ میں منعقد کرنے کا مقامی مسلم لائبریری منماڑ کے کارکنوں کا خیال ہے۔ اس کانفرنس میں ذیل کے مسائل پر ہمیں غور و خوض کرنا ہے۔

ضلع ناسک کے سات یا آٹھ قصبوں یا شہروں میں لوکل بورڈ کی جانب سے اردو کے مدارس جاری ہیں۔ ان میں سے اکثر مدرسوں میں اردو کی جماعت چہارم تک ہی تعلیم کا انتظام ہے۔ ان مدرسوں میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد مرہٹی یا انگریزی اسکولوں میں ثانوی تعلیم کے لئے جس وقت طلبا داخل ہوتے ہیں اس وقت چونکہ ان بچوں کی ابتدائی تعلیم ریاضی، جغرافیہ اور تواریخ اردو زبان میں ہوئی تھی اس لئے یہ طلبا ثانوی تعلیم حاصل کرتے ہیں اور اکثر ناکارہ ثابت ہوتے ہیں۔ ثانوی تعلیم حاصل کرنے میں مرہٹی زبان کا جاننا لازمی ہے۔ چونکہ یہ مہاراشٹر کی علاقائی زبان ہے۔ اردو اسکول کے طلبا کی مرہٹی تعلیم اردو اسکولوں میں کمزور ہونے کی وجہ سے انہیں ثانوی تعلیم کے امتحانات میں کامیاب ہونے میں نہایت ہی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور وہ بہت جلد مجبور ہو کر مدرسوں کو خیرباد کہہ کر آوارگی کی زندگی اختیار کر لیتے ہیں جن طلبا کے سرپرستوں کے اقتصادی حالات انہیں اجازت نہیں دیتے کہ ہر سال ناکامیاب ہونے کے باوجود تعلیمی اخراجات برداشت کرتے رہیں۔ ایسے ہی سرپرستوں کو اُن

(حالات کی بنا پر وقت اور پیسے کی بربادی کا تلخ تجربہ ہو چکا ہے۔ وہ اب اپنے بچوں کو اردو اسکولوں میں داخل کرنے کے بجائے مجبوراً ابتدا ہی سے مرہٹی اسکولوں میں داخل کر رہے ہیں۔ ان حضرات میں اردو مدرسوں کے اساتذہ بھی شامل ہیں۔ اس وجہ سے اردو زبان کے ساتھ ساتھ ایک وجہ سے قوم کا بھی ناقابل تلافی نقصان ہو رہا ہے اور آنے والی نسلوں کا مستقبل نہایت ہی تاریک دکھائی دے رہا ہے۔ ضلع ناسک میں مالی گاؤں اور ناسک شہر کے علاوہ اردو سے ثانوی تعلیم کا انتظام اور کسی شہر میں نہیں ہے۔ ان مقامات پر صرف صاحب حیثیت ہی طلبا ثانوی تعلیم حاصل کرنے کے لئے جا سکتے ہیں۔ لہٰذا ہمارا خیال ہے کہ اردو کے ابتدائی مدرسوں میں مرہٹی زبان کی تعلیم ابتدائی جماعت ہی سے لازمی قرار دے دی جائے تاکہ شروع تعلیم ہی سے ثانوی تعلیم کے لئے راستہ ہموار ہو جائے۔ مندرجہ بالا امور پر آنجناب کی قیمتی رائے سے ہمیں جلد از جلد مستفید فرمایا جائے تاکہ کانفرنس کے قبل ہی ہم کوئی ایسا لائحہ عمل بنائیں جو آنے والی نسلوں کے لئے روشن مستقبل ثابت ہو سکے اور ساتھ ہی ساتھ کانفرنس میں شرکت فرما کر لائحہ عمل مرتب کرنے میں رہنمائی فرمائیں۔ علاوہ ازیں تعلیم سے دلچسپی لینے والے حضرات کی خدمت اقدس میں بھی یہ عرضداشت ارسال کیا گیا ہے۔

ممبران کانفرنس تعلیمی کانفرنس (ضلع ناسک)

(۱) جناب آدم الیاس صادق صاحب صدر انجمن ترقی اردو (ہند) مناڑ و مسلم لائبریری مناڑ (۲) جناب اسماعیل منشی صاحب (۳) جناب خالق سیٹھ سودا گر جیم (۴) جناب عثمان سیٹھ (۵) حمید سیٹھ صاحب (۶) انجم چشتی اکبر آبادی (۷) جناب حافظ عاقل صاحب وغیرہ وغیرہ۔

صفدر بلگرامی

(سکریٹری انجمن ترقی اردو (ہند) مناڑ و مسلم لائبریری مناڑ)

ضروری اعلان

ہماری زبان میں انھیں شاخوں کی خبریں شائع ہوں گی جن شاخوں کا مرکز سے الحاق ہو چکا ہے اور ان کو سند الحاق بھیج دی گئی ہے۔

شاخیں جب تک مرکز سے سند الحاق حاصل نہ کر لیں انجمن کے نام سے کوئی خبر یا مضمون کسی کو نہ بھیجیں۔

خیر بہودی
مددگار جنرل سکریٹری
انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ

انجمن ترقی اردو کا کارنامہ

کسی بھی علمی ادارے کے لئے یہ کارنامہ قابل فخر ہے کہ ۱۷/۱۸ سال کی مدت میں اُس نے ۱۰۱ معیاری کتابیں شائع کیں۔ اگر ان چار کتابوں کو بھی شامل کر لیا جائے جو دو ایک ہفتہ کے اندر شائع ہونے والی ہیں تو یہ تعداد ۲۰۵ ہو جاتی ہے یعنی ہر مہینہ تقریباً ایک کتاب۔ کوئی سخت سے سخت ناقد بھی بمشکل یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ ان کتابوں میں سے کسی کا علمی اور ادبی معیار پست ہے۔ اردو کی حفاظت اور ترقی کی جدوجہد میں اگر انجمن آپ کی تائید کی مستحق ہے تو اس کی مطبوعات کو خریدیے کیونکہ یہی اس کی آمدنی کا ایک ذریعہ ہے۔

کتاب	مصنف	قیمت
مذہب اور دھرم	از مہاتما گاندھی	قیمت ۲/- روپے
مشترکہ زبان	”	۴/۸ ”
پرچھائیں	” آصف علی مرحوم	۱/۴ ”
یادگار حالی	” محترمہ صالحہ عابد حسین	۴/۴ ”
حیات اجمل	” قاضی عبد الغفار صاحب	۸/- ”
حیات سر سید	” نور الرحمٰن صاحب	۳/۸ ”
ایک مشرقی کتب خانہ	” مبارز الدین رفعت صاحب	۳/- ”
انواع فلسفہ	” مظفر حسین خاں صاحب	۵/۸ ”
اطلاقی سماجیات	” ڈاکٹر جعفر حسین	۲/۸ ”
کچھ زر کی بابت	” ابو سالم صاحب ایم اے	۲/۸ ”
نفسیات افراد	” پروفیسر معتمد ولی الرحمٰن مرحوم	۴/۴ ”
اسلامی فن تعمیر	” مبارز الدین رفعت صاحب	۲/- ”
محاسن کلام غالب	” ڈاکٹر عبد الرحمٰن بجنوری مرحوم	۱/۴ ”

کتاب	مصنف	قیمت
اردو زبان	از پنڈت دتاتریہ کیفی صاحب	قیمت ۱/۴ روپے
انتخاب کلام وجد	” سکندر علی وجد صاحب	۱/۸ ”
ترقی پسند ادب	” سردار جعفری صاحب	۲/- ”
ادبی اور قومی تذکرے	” پنڈت کشن پرشاد کول صاحب	۲/۸ ”
احوال غالب	” ڈاکٹر مختار الدین آرزو	۵/- ”
انتخاب کلام مخدوم	” مخدوم محی الدین صاحب	۱/۸ ”
غزل	” مجروح سلطانپوری صاحب	۱/۸ ”
کاروان معیشت	” نجم الدین شکیب صاحب	۲/۸ ”

جنوری ۱۹۵۴ء میں شائع ہونے والی کتابیں

کتاب	مصنف
مرقع افغان	از مولوی ابراہیم حسین صاحب ایم۔ اے۔
باپو کے قدموں میں	” ڈاکٹر راجندر پرشاد۔ صدر جمہوریہ۔
آج کا چین	” پنڈت سندر لال جی۔
اصول سیاسیات	” پروفیسر ہارون خاں شروانی

انجمن ترقی اردو (ہند)، علی گڑھ

تبصرے

راہی

دہلی کا ماہنامہ رسالہ جس کے مدیر سری بلدیو متر بجلی اور شری ہنس راہبر ہیں، ہندوستان کے اچھے رسالوں میں سے ایک ہے۔ اس کے رجحانات ترقی پسند ادب کی طرف ہیں اور مضامین کا معیار بلند ہے لیکن ابھی اسے اور بلند ہونا چاہیئے۔ ہم جانتے ہیں کہ بڑی مشکل یہ ہے کہ تقسیم کے بعد سے ہندوستان میں اردو کے افسانہ نگاروں اور ادبی مضمون نگاروں کی تعداد بہت کم ہو گئی ہے۔ اس لئے اچھے رسالوں کو اچھے لکھنے والے بمشکل ملتے ہیں لیکن اب ہماری ادبی جماعتوں اور رسائل کا یہ فرض بھی ہے کہ وہ اچھے لکھنے والے پیدا کریں اور بنائیں۔ نو مشق اہل قلم کی ہمت افزائی اور رہنمائی کر کے ان کو اگلی صفوں کی سمت میں لایا جا سکتا ہے۔ اور اسی طرح اچھے لکھنے والے سامنے آتے ہیں۔ اب جو دو تین ترقی پسند رسالے ہندوستان میں جاری ہیں ان کو باوجود مشکلات کے یہ کام کرنا ہے۔ ہم راہی کی کوششوں کو سراہتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ ملک میں اردو ادب کے قدرداں اس کی اشاعت کی توسیع کو اپنا فرض سمجھیں گے۔

(چندہ سالانہ پانچ روپے)

سنگم (ہفتہ وار)

دانا پور (پٹنہ) سے وہاں کے ممتاز قومی کارگذاروں مسٹر ودود صاحب اور شہباز حسین صاحب نے یہ ہفتہ وار اخبار جاری کیا ہے۔ غلام سرور صاحب اردو زبان کی بہت کچھ خدمت کر رہے ہیں اور ریاستی انجمن ترقی اردو کے سکریٹری بھی ہیں۔ بہار میں اردو کے اخباروں اور رسائل کی تعداد کچھ زیادہ نہیں اور جو ہیں ان میں سے بعض تو بہت ہی کمزور اور پھیکے ہیں۔ ضرورت تھی کہ ایک اچھا اور موثر روزنامہ پٹنہ سے جاری ہوتا ہمیں امید ہے کہ سنگم کو بہت جلد روزنامہ بنایا جا سکے گا اور وہ اب اتنا مقبول ہو چکا ہوگا کہ اس کا ادارہ بہت جلد اسے روزنامہ بنا سکے گا۔ اس میں شبہ نہیں کہ بہار کی صحافت میں سنگم ایک بہت اچھا اضافہ ہے۔ اس کی سالانہ قیمت چار روپے ۸ آنے ہے۔

پبلشر:- قاضی عبد الغفار مرکزی دفتر انجمن ترقی اردو ہند، علی گڑھ

پرنٹرز:- نیشنل پرنٹرز کمپنی علی گڑھ

کلاسکی ادب

از خواجہ احمد فاروقی صاحب، ناشر آزاد کتاب گھر کلاں محل دہلی قیمت تین روپے آٹھ آنے

یہ کتاب فاروقی صاحب کے چند مضامین کا مجموعہ ہے۔ خواجہ صاحب اردو زبان کے ممتاز ادیب ہی نہیں ہیں بلکہ ایسے طالب علم بھی ہیں جو ہر وقت ادبی حقائق کی جستجو میں مصروف رہتے ہیں اور اچھے اچھے جواہر ریزے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر لاتے ہیں۔ اس کتاب میں اکثر مضامین انہی تحقیقات اور جستجو کا نتیجہ ہیں۔ خواجہ صاحب ادیبوں کی پہلی صف میں اپنی جگہ محفوظ کر چکے ہیں اس لئے ان کے قلم سے جو کچھ بھی نکلے وہ توجہ کا مستحق ہے۔

اس کتاب کے مضامین میں اکثر مضامین ایسے بنیادی ہیں جن پر کتابیں لکھی جا سکتی ہیں۔ چنانچہ میر پر خواجہ صاحب کا مضمون درحقیقت ان کی معرکۃ الآرا تصنیف "میر تقی میر ——— حیات اور شاعری" کا جسے انجمن ترقی اردو شائع کر رہی ہے ایک گوشہ ہے۔

ہمیں یقین ہے کہ "کلاسکی ادب" کے اوراق میں جو کچھ پیش کیا گیا ہے وہ اردو ادب میں گرانقدر اضافہ کرے گا۔

تنقید اور عملی تنقید

ناشر:- آزاد کتاب گھر، کلاں محل، دہلی

قیمت ۲/۱۲ روپے

سید احتشام حسین اردو زبان کے ان چند ناقدوں اور تنقید نگاروں میں سے ہیں جن کی رائے احترام اور توجہ کی مستحق ہے حقیقت یہ ہے کہ مغربی ممالک کے مقابلہ میں ہمارے ملک کی زبانوں میں فن تنقید بہت پیچھے ہے۔

یہ کتاب سید احتشام حسین صاحب کے ادبی اور تنقیدی مضامین کا مجموعہ ہے۔ موصوف کی ایک خصوصیت جو انہیں ممتاز کرتی ہے ان کے خیالات اور الفاظ کا سنجیدہ توازن ہے۔ وہ کبھی جذبات اور ہلکے تاثرات کو اپنے قلم پر حاوی نہیں ہونے دیتے۔ کتاب کا دیباچہ اور پہلا مضمون "تنقید اور عملی تنقید" بہت معنی خیز اور جامع ہے۔ اس میں مصنف نے اپنے طرز تنقید اور نقد و نظر کے ان اصولوں پر زور دیا ہے جو ان کی رہنمائی کرتے ہیں۔ "غالب کا تفکر" اور "اقبال کی رجائیت" میں بھی موصوف اپنے طرز استدلال کا توازن قائم رکھے ہوئے ہیں جب وہ کوئی ایسی بات کہتے ہیں جو نئی ہو یا ایسی ہو کہ عام طور پر لوگ اسے قبول نہ کریں تب بھی ان کی تنقید میں ڈنکے کی چوٹ نہیں ہوتا۔ عالمانہ اور عالمانہ شان ہی ہو سکتی ہے۔